مسئلۂ امامت اور عورت

از جناب مولانا محمد یوسف کوکن عمری افضل العلماء ایم اے، لٹ
صدر شعبۂ عربی وفارسی و اُردو مدراس یونیورسٹی۔

گذشتہ سال مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے مدراس کے ایک مُسلم زنانہ کالج میں ایک نہایت شاندار مسجد کا افتتاح کیا تو بعض شورش پسندوں نے اس پر ایک ہنگامہ برپا کردیا اور انھوں نے کہا کہ عورتوں کے لئے نہ مسجد میں جاکر نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نہ اُن کے لئے امامت اور خطبہ دینا جائز ہے یہ ہنگامہ صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہیں رہا بلکہ اُردو کے بعض ذمہ دار اخبارات میں اِس نوع کی تحریریں بھی شائع ہوئی تھیں۔ اِسی واقعہ سے متاثر ہوکر ہمارے فاضل دوست مولانا محمد یوسف صاحب نے جو جنوبی ہند کے اکابر علماء میں سے ہیں پیشِ نظر مقالہ میں اس موضوع پر مفصل اور بصیرت افروز بحث کی ہے جسے ہم شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔" ——— (ایڈیٹر)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وفکر اور رائے کی آزادی دی ہے، تاکہ وہ دیکھ سمجھ کر اور سوچ بچار کے معبودِ حقیقی کو پہچانے اور اُس کی ہدایات پر عمل کرے، جن وانس کے علاوہ جتنی بھی چیزیں ہیں وہ خدا کی مطیع و فرمانبردار ہیں وہ ہر وقت خدا کی حمد کے گیت گاتی رہتی ہیں، مگر ہم اُن کی حمد و تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے قرآن مجید میں ہے:-

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ ساتوں آسمان اور زمین اور ان کے

وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا	اور جو چیزیں بھی ہیں اُسی کی پاکی بیان کرتی ہیں
يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا	اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے
تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۗ إِنَّهٗ	گیت نہ گاتی ہو لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو
كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل ۴۴)	نہیں سمجھ سکتے بیشک وہ بردبار اور بخشش والا ہے۔

اسلامی نماز اسلامی نماز بھی ایک عبادت ہے جو محض خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کے لئے جاری کی گئی ہے، مگر وہ شرک و بُت پرستی کے مختلف بدنما تصورات سے بالکل مُنزّہ اور پاک ہے اس نماز کی شکل و صورت وہی ہے جس کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اپنے زمانے میں پیش کیا اور جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکمیل کی، یہ خدا اور بندوں کے درمیان روحانی اتصال اور سرگوشی کا بہترین ذریعہ ہے اس سے انسان کی برائیاں دُور ہو جاتی ہیں، قرآن مجید میں ہے:۔

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ ۖ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى	(اے نبی) نماز کو قائم کرو کیونکہ نماز بے حیائی اور
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ	برائی سے روکتی ہے اور البتہ خدا کا ذکر بہت
أَكْبَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (عنکبوت ۴۵)	بڑا ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

بلکہ اس کی وجہ سے ظاہری صفائی اور پاکیزگی آجاتی ہے اس لئے کہ نماز کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں وہ یہ کہ بدن پاک ہو، جامہ پاک ہو اور جگہ پاک ہو ان تین شرطوں کے بغیر کسی کی نماز درست نہیں ہو سکتی ہو بھی نماز کا پابند ہوگا ظاہر ہے کہ اس میں یہ تین باتیں بدرجۂ اتم پائی جائیں گی، اس طرح نماز ایک جاہل سے جاہل انسان کو بھی پاک و صاف بنا دیتی ہے اور اس کو مہذب و شائستہ کر دیتی ہے اور یہ نماز کے اہم مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد ہے۔

اسلام سے پہلے بھی نماز اہم تھی نماز مسلمانوں ہی پر فرض نہیں کی گئی ہے بلکہ ان سے پہلے کی قوموں پر بھی فرض کی گئی تھی اور ہر ایک قوم کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ وغیرہ میں سے ہر ایک نے اپنی قوم کو خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی تھی اور کہا تھا:۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ	اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ (ہود ۵۰)	اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ معظمہ میں خدا کی عبادت کے لئے پہلا گھر اس لئے بنایا تھا وہاں نماز قائم کی جائے۔ حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں:۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ	اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو ایک ندات
ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا	وادی میں تیرے مقدس گھر کے نزدیک بسایا ہے اے
لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً	ہمارے پروردگار یہ اس لئے کہ وہ نماز کو قائم کریں،
مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ	پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور پھلوں
مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ (ابراہیم ۳۷)	سے ان کو روزی دے تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔

پھر کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ	اے میرے پروردگار مجھ کو نماز کا قائم کرنے والا
ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۔	بنا اور میری ذریت کو بھی اور اے ہمارے
(ابراہیم ۴۰)	پروردگار ہماری دعا کو قبول کر۔

حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے:۔

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ	اور (حضرت اسمٰعیلؑ) اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوٰۃ
وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (مریم ۵۵)	کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہما الصلوٰۃ والسلام اور تمام بنی اسرائیل کو بھی نماز اور زکوٰۃ کی پوری تاکید کی گئی تھی:۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا	اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ عطا کیا اور پھر مزید
جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً	یعقوب عنایت کیا اور ہر ایک کو نیک بنایا اور
يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ	ہم نے ان کو امام بنایا تاکہ ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ

وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا بتائیں اور ہم نے ان کو نیک کاموں کی وحی کی اور نماز قائم کرنے
لَنَا عٰبِدِيْنَ۔ (انبیاء ۷۲، ۷۳) اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم کیا اور یہ سب ہماری عبادت کرتے تھے۔

خداوند کریم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر پیدا کیا جن کو نماز قائم کرنے کا حکم ملا تھا۔ قرآن مجید میں ہے :-

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰہٰ ۱۴) اے موسیٰ میرے ذکر کو جاری رکھنے کے لئے نماز کو قائم کر

بنی اسرائیل کے تمام پیغمبر نماز کے پابند تھے۔ حضرت زکریا کو ایک فرزند یحییٰ کی پیدائش کی خوشخبری ملی تو وہ اس وقت محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے' قرآن مجید میں ہے :-

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ پس فرشتوں نے حضرت زکریاؑ کو پکارا جب کہ
فِي الْمِحْرَابِ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى وہ محراب میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے
مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا یہ کہ اللہ تجھ کو یحییٰ کے پیدا ہونے کی بشارت
وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ دیتا ہے جو خدا کے کلمے کی تصدیق کرے گا اور سردار
(آل عمران ۳۹) اور پاکدامن اور نیکوں میں سے ایک نبی ہوگا۔

حضرت شعیب علیہ السلام بھی نماز اور زکوٰۃ کے پابند تھے چنانچہ ان کی قوم ان کو طعنہ دیتی ہوئی کہتی ہے :

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ انھوں نے کہا اے شعیب کیا تمہاری نماز تم کو حکم دیتی
اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ ہے کہ ہم اُس کو چھوڑ دیں جس کی ہمارے باپ دادا
فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ پرستش کرتے ہیں یا ہمارے مالوں میں جس طرح ہم چاہیں
الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ۔ (ہود ۸۷) کریں بے شک تو بردبار اور ہدایت یافتہ ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے لڑکے کو بہت سی نصیحتیں کی تھیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ نماز کو قائم رکھو :-

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ اے میرے پیارے بیٹے نماز کو قائم کر اور نیک
وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ کام کا حکم کر اور برائی سے روک اور تجھ پر جو آفت
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (لقمان ۱۷) آئے اس پر صبر کر بیشک یہ پختہ کاموں میں سے ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی گئی تھی چنانچہ حضرت عیسیٰؑ اپنی قوم کے سامنے اعلان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں :-

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ — اور خدا نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے
مَا دُمْتُ حَیًّا ؕ (مریم ۳۱) — جب تک کہ میں زندہ رہوں۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کو بھی خدا کی عبادت کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ — اے مریم اپنے رب کی عبادت کر اور اس کے لئے
وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ۔ (آل عمران ۴۳) — سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام جماعت کے ساتھ نماز ادا کیا کرتی تھیں۔

تمام بنی اسرائیل سے بھی عام وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ نماز قائم رکھیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور دوسرے نیک کام کریں گے تو خدا ہر موقع پر ان کی مدد کرے گا۔ قرآن مجید میں ہے :-

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ — اور بیشک اللہ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا ہے
وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ — اور ہم نے ان میں بارہ نقیب بھیجے ہیں اور اللہ نے
وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ — ان سے کہا ہے کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں
الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ — اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے
بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ — رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو اور اللہ کو اچھا
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ — قرض دو تو میں ضرور تم سے تمہاری برائیوں کو دور
سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ — کر دوں گا اور تم کو باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ — نہریں بہتی ہوں گی پس جو بھی تم میں سے اس کے بعد
بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (مائدہ) — انکار کرے گا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹکا ہوا ہوگا۔

لیکن بنی اسرائیل نے آگے چل کر اپنی نمازوں کو ضائع کر دیا اور وہ اپنے انبیاء کی ہدایت اور متابعت پر قائم نہیں رہے چنانچہ خدا فرماتا ہے :-

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (مریم ۵۹)

پس ان کے بعد ایک ایسی جماعت آئی جس نے نمازیں ضائع کردیں اور اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی۔ پس وہ کھلی گمراہی سے ملیں گے۔

اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اہلِ کتاب کی ایک جماعت ایسی تھی جو رات میں خدا کی آیتوں کی تلاوت کیا کرتی تھی اور نمازیں پڑھا کرتی تھی، چنانچہ خدائے تعالیٰ ان کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:-

لَيْسُوا سَوَآءً مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُونَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ (آل عمران ۱۱۳)

سب لوگ برابر نہیں ہیں، اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو خدا کے سامنے کھڑی رہتی ہے اور خدا کی آیتوں کو رات کے لمحوں میں تلاوت کرتی ہے اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک نبی کے زمانے میں نماز کی بڑی اہمیت تھی، وہ خود بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کیا کرتے تھے۔

مسلمانوں اور دوسروں کی نماز میں فرق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جیسی دین کی اور احکام کی تکمیل ہوئی اسی طرح نماز کی شکل وصورت اور تعداد وغیرہ بھی مکمل ہوئی، اگلی قوموں میں صرف تین نمازوں کا ثبوت ملتا ہے (دیکھو توراۃ دانیال باب ۶ آیت ۱۰) کنیساؤں اور گرجاؤں میں جمع ہو کر خدا کی عبادت کرتے تھے۔ عبادت کے لئے گھنٹی یا ناقوس استعمال کئے جاتے تھے، رکعات وغیرہ کی تعداد متعین نہیں تھی، اسلام کی تکمیل سے پانچ نمازیں فرض ہوئیں، ہر ایک نماز میں رکعات کی تعداد اور شکل وصورت متعین ہوئی، نماز کے بلاوے کے لئے اذان کا مستقل طریقہ وجود میں آیا، روزانہ کی پانچ نمازوں کے ساتھ جمعہ اور عیدین اور سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازیں بھی سکھلائی گئیں اور عبادتِ الٰہی کا ایک بہت ہی مرتب اور منظم طریقہ وجود میں آیا۔ جس کی مثال دنیا کی کسی قوم میں بھی نہیں مل سکتی، تہجد کے ساتھ ساتھ رمضان کے مہینے میں تراویح کی نمازیں بھی رائج ہوئیں۔ اور سب سے زیادہ جماعت کے ساتھ باقاعدہ نماز پڑھنے کا طریقہ وجود میں آیا۔

اور توں کو بھی نماز کی تاکید کی گئی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کی طرح ابتدائے بعثت ہی سے نماز کا بڑا اہتمام کرتے تھے فرض نمازوں کے علاوہ نفل نمازیں اتنی پڑھا کرتے تھے کہ بسا اوقات آپ کے پیروں پر زیادہ کھڑے رہنے کی وجہ سے ورم آجاتا تھا، آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنی بیویوں کو نماز کی تاکید کریں قرآن مجید میں ہے:-

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ	(اے نبی) اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم کیجئے
عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ	اور خود بھی اس کے پابند رہئے۔ ہم آپ سے
نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ○	روزی کمانا نہیں چاہتے، روزی تو ہم دیں گے
(طٰہ ۱۳۲)	اور بہترین انجام پرہیزگاری کا ہے۔

ایک دوسری جگہ نبی کی بیویوں کو صاف حکم دیا گیا ہے:-

وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَآتِيْنَ الزَّكٰوةَ	اے نبی کی بیویو! نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور
وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ إِنَّمَا	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، بے شک
يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ	اللہ تم سے اے اہل بیت پلیدی کو دور کرنا چاہتا ہے
أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ○ (احزاب ۳۳)	اور تم کو پوری طرح پاک کرنا چاہتا ہے۔

نبی کی بیویاں اُمتِ مسلمہ کی مائیں ہیں، اُن کا ہر ایک فعل اُمتِ مسلمہ کے لئے شمعِ ہدایت کا درجہ رکھتا ہے اس لئے ہم مسلمانوں کا پکا عقیدہ ہے کہ اسلام کے تمام بنیادی احکام جس قدر مردوں کے لئے واجب التعمیل ہیں اسی طرح عورتوں کے لئے بھی واجب العمل ہیں، بلکہ حدیثوں میں ہے کہ بچے اگر سات برس کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کریں اور اگر اس سلسلہ میں ان کو تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو تنبیہ کرنے سے دریغ نہ کریں۔

احکام اسلام کی پیروی میں عورت اور مرد کا ایک درجہ ہے

قرآن مجید سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ احکام اسلام کے انجام دینے اور انکی پیروی کرنے میں عورت اور مرد کی یکساں ذمہ داریاں ہیں' قرآن مجید میں ان دونوں کے اوصافِ حسنہ گنائے گئے ہیں اور دونوں کو ایک ہی حیثیت دی گئی ہے، سورۂ احزاب میں ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ	بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد
وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ	اور مومن عورتیں اور عبادت گزار مرد اور عبادت گزار
وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ	عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر والے مرد
وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ	اور صبر والی عورتیں اور ڈرنے والے مرد اور ڈرنیوالی
وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ	عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی
وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ	عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے
وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ	والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ	کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ	کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنیوالے
اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ	مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں۔ اللہ نے
لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝	ان کے لئے بہت بڑی بخشش اور ثواب تیار
(الاحزاب ۳۵)	کر رکھا ہے۔

اسلام، ایمان، عبادت، سچائی، صبر و تحمل، خشوع و خضوع، صدقہ و خیرات، روزہ، شرمگاہوں کی حفاظت، ذکر الہٰی، ان میں سے کوئی وصف بھی ایسا نہیں ہے جس میں مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہو اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت سے جس طرح مردوں کو ڈرایا گیا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی ڈرایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا	اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لئے یہ حق نہیں ہے کہ
قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ	جب خدا اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ	ان کو اپنا حکم چلانے کا اختیار حاصل ہو اور جو اللہ اور
وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝	اس کے رسول کی نافرمانی کریگا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔

جماعت کی اہمیت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی نماز کو انفرادی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت

ہوتا ہے۔ دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کا امتیازی نشان یہی ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ اور ہفتہ میں ایک مرتبہ اور سال میں دو مرتبہ تمام مسلمان مرد اور عورتیں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی جماعت میں شریک نہیں ہوتا تو اس کو منافق تصور کیا جاتا تھا۔ (دیکھو مشکوٰۃ باب الجماعۃ وفضلہا الفصل الثالث) حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ میں آگ جلانے کا حکم دوں اور پھر کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دے کر ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز با جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، پھر ان کے گھر میں آگ لگادوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر کوئی یہ جان لے کہ نماز با جماعت کی فضیلت کیا ہے تو وہ فربہ گوشت کا ٹکڑا اور بکرے کے کھوروں کو چھوڑ کر ضرور عشا کی نماز میں شریک ہو جائے گا (مشکوٰۃ)

اسی باب میں حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ ایک نابینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا اے اللہ کے رسولؐ مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہیں ملتا تو کیا ایسی حالت میں میں اپنے گھر پر نماز پڑھ سکتا ہوں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا 'ہاں' اور جب وہ نابینا واپس جانے لگے تو انھیں پھر بلایا اور پوچھا کیا تم اذان کی آواز سُنتے ہو؟ نابینا نے کہا ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اذان کا بُلاوا قبول کرو۔ یعنی جماعت میں ضرور آؤ۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی کتنی اہمیت ہے یہ سب اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے جماعتی فوائد سے محروم نہ رہ جائیں۔

جماعت کے ذریعہ تعلیم و تربیت

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ایک اہم مقصد لوگوں کی تعلیم و تربیت ہے تمام لوگ حتیٰ کہ عورتیں اور بچے بھی جماعت میں شریک ہوتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سُن کر تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نصائح و ارشادات سے مردوں کو جتنا فائدہ پہنچا ہے اتنا ہی عورتوں کو بھی ہوا ہے۔ آپؐ کی بدولت عورتیں عالم و فقیہ بن گئیں۔ ان سے بیسوں روایتیں حدیثوں میں موجود ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں

حضرت عائشہ، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت حفصہ بنت عمر، حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ کو بڑی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کی صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہ کا مرتبہ بہت اونچا تھا۔ عام عورتوں میں حضرت انس کی والدہ ام سلیم، ام عطیہ، ام العلا، ام شریک، ام الدرداء، خولہ بنت حکیم، ام ہانی، اسماء بنت ابی بکر، اسماء بنت عمیس، ام حرام، ام کلثوم، ام الفضل لبابہ، ربیع بنت معوذ، فاطمہ بنت قیس، خولہ بنت ثعلبہ، ام ورقہ بنت عبداللہ الانصاریہ، سعدہ بنت سعدہ وغیرہ کا نام گرامی لیا جا سکتا ہے۔ ان سب پر حضرت عائشہ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے ان کا مدینہ کے سات فقیہوں میں شمار ہوتا تھا ان کے متعلق علماء کا متفقہ فیصلہ ہے۔

كانت فقيهة عالمة فصيحة	حضرت عائشہ فقیہ، عالم فصیح رسول اللہ
كثيرة الحديث عن رسول الله	صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے
صلى الله عليه وسلم عارفة بأيام	والی اور ایام عرب کو اور ان کے اشعار
العرب واشعارها۔[1]	کو جاننے والی تھیں۔

حضرت عائشہ کی بہت سی انفرادی اور مجتہدانہ رائیں تفسیر و حدیث و فقہ میں منقول ہیں شرح مواہب اللدنیہ الجزء الثالث صفحہ ۲۸۱ پر ہے۔

استقلت عائشة بالفتوى	حضرت عائشہ حضرت ابوبکر عمر عثمان اور
زمن ابی بکر وعمر وعثمان	ان کے بعد بھی اپنی وفات تک مستقل
وهلم جرا الى أن ماتت۔	فتوے دیتی رہی ہیں۔

جب باہر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد آتے تھے تو ان سے پوچھ کر بہت سی طبی معلومات حاصل کر لی تھیں اور بہت سی بیماریوں کا خود ہی علاج کر لیتی تھیں۔

اسی طرح حضرت حفصہ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور قرآن مجید کا ایک بہت بڑا حصہ انھیں یاد ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر کے زمانے میں قرآن مجید کی تدوین ہوئی تو اس کا نسخہ حضرت حفصہ کے پاس ہی

[1] شرح مواہب اللدنیہ الجزء الثالث ۲۷۹۔

رکھا گیا تھا جن سے مدد لیتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس کی نقلیں کرائیں اور مختلف صوبوں کو روانہ کیا۔

حضرت ام سلمہ بھی قرآن کی ایک بڑی حد تک حافظ ہو چکی تھیں، ان سے کثیر روایتیں منقول ہیں اور فقہی مسائل کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ان کی روایتوں میں پایا جاتا ہے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں اور صحابیات سے کثیر روایتیں منقول ہیں، عورتوں کی تعلیم و تربیت درحقیقت آنحضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھنے اور ان کی مجلسوں میں باقاعدہ شریک ہونے ہی کا نتیجہ ہے۔

عورتوں کی جماعت میں شرکت عورتوں کی فطری کمزوریوں کی بنا پر اگرچہ آنحضرتؐ نے ان کو اپنے گھر پر رہ کر نماز پڑھنے کی رخصت دیدی تھی تاہم آپ کے زمانے میں کثرت کے ساتھ عورتیں جماعت میں شریک ہوا کرتی تھیں اور پیچھے کی صف میں کھڑی ہوتی تھیں، ان کے ساتھ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی شریک ہوتے تھے۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں۔

لقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الفجر فیشھد معہ نساء من المؤمنات متلفعات فی مروطھن ما یعرفھن احد (تجرید البخاری جلد اول ۱۰۷)	بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے آپ کے ساتھ مومن عورتیں بھی حاضر ہوتی تھیں وہ اپنی چادروں میں لپٹی واپس ہوتی تھیں، کوئی ان کو پہچانتا نہیں تھا۔

یعنی ابھی اندھیرا ہوتا تھا کہ آپ نماز ختم فرماتے تھے۔ اس اندھیرے کی وجہ سے ان عورتوں کو کوئی پہچان نہیں سکتا تھا، صحیح مسلم کی روایت ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات بمروطھن ما یعرفن من الغلس (صحیح مسلم کتاب المساجد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے تھے پس عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی واپس ہوتی تھیں، اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں جا سکتی تھیں۔

یہ عورتیں صرف فرض نمازوں ہی میں شریک نہیں ہوتی تھیں بلکہ سورج یا چاند گرہن کے موقع پر بھی جماعت میں شریک ہو جاتی تھیں، چنانچہ صحیح مسلم باب الصلوٰۃ الکسوف میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے، میں بھی قضائے حاجت کے بعد نماز میں شریک ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت طویل قیام کیا، اتنا کہ مجھ سے کھڑا نہ رہا جا سکا، میں نے بیٹھ جانے کا ارادہ کیا، لیکن پھر دیکھا کہ ایک بڑھیا بھی جو مجھ سے کمزور اور ضعیف تھی نماز میں شریک ہے، اس کو دیکھ کر میری ہمت بڑھ گئی اور میں نے نماز پوری کی۔

حضرت عائشہ رضؓ بھی جماعت کے ساتھ اس نماز میں شریک تھیں، جب حضرت اسماءؓ نے ان سے نماز کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور سمجھایا کہ سورج گرہن کی وجہ سے یہ نماز ہو رہی ہے۔

نماز میں بچوں کے رونے کی آواز آتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو مختصر کر دیا کرتے تھے، تاکہ عورتوں کے دلی اطمینان میں کوئی فرق نہ آئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں کسی بچہ کو روتا ہوا سنتے تو نماز کو مختصر کر دیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کا جماعت میں شریک ہو کر آپ کے پیچھے نماز پڑھنا ایک مسلّمہ امر ہے جس سے انکار کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی، یہ دستور اب تک چلا جا رہا ہے، چنانچہ آج بھی بے شمار عورتیں مسجدِ حرام اور مسجدِ نبویؐ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی ہیں اور کوئی ان کو اس سے روک نہیں سکتا۔

جماعت میں شرکت کی ترغیب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے پیچھے عورتوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دی، بلکہ مردوں کو عورتوں کے مسجدوں میں آنے سے روکنے سے بھی منع فرمایا۔ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں عورتوں کے مسجدوں میں جانے سے متعلق ایک مستقل باب باندھا ہے اور اس میں کئی حدیثیں پیش کی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:

إذا استأذنت امرأة أحدكم — جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد کو جانے کی اجازت
إلى المسجد فلا يمنعها — چاہے تو اس کو چاہیے کہ اس کو نہ روکے۔

اور ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

لا تمنعوا إماء الله مساجد الله — اللہ کی لونڈیوں کو مسجدوں سے مت روکو

اور ایک مرتبہ فرمایا:

لا تمنعوا النساء من الخروج بالليل — عورتوں کو رات میں مسجدوں کی طرف جانے سے
إلى المساجد — مت روکو۔

اور ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

لا تمنعوا النساء حظوظهن من المساجد — عورتوں کو ان کے مسجدوں کے حقوق سے جبکہ
إذا استأذنكم۔ (مشکوٰۃ) — وہ تم سے اجازت طلب کرتی ہیں مت روکو۔

یہاں "حظوظهن من المساجد" (ان کے مسجدوں کے حقوق) کا فقرہ بہت ہی قابل غور ہے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مسجدوں میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا عورتوں کا طبعی اور فطری حق ہے، اگر وہ خود ہی اس حق سے دست بردار ہوتی ہیں تو ان کے لئے جائز ہے مگر کوئی دوسرا ان کو اس حق کے چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

اس طبعی حق سے دستبردار ہونے سے انکار

اسلامی تاریخ میں بعض شہادتیں ایسی بھی ملتی ہیں کہ جب بعض مردوں نے اپنی فطری غیرت کی بنا پر اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کرنا چاہا تو ان عورتوں نے اس حق سے دستبردار ہونے سے بالکل انکار کر دیا، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی چچازاد بہن عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل سے ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن ابی بکر کے مرنے کے بعد شادی کی تھی، وہ بہت خوبصورت تھیں، ہمیشہ مسجد نبوی میں حاضر ہو کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں، حضرت عمرؓ نے ایک دن ان سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم گھر ہی پر رہ کر نماز پڑھو، حضرت عاتکہ نے کہا آپ مجھے حکم دیجئے میں ترک کر دوں گی، حضرت عمرؓ آنحضرت کے صریح حکم کے خلاف منع نہیں کر سکتے تھے

انھوں نے کہا میں تم کو کوئی حکم نہیں دے سکتا، بلکہ یہ میری دلی خواہش ہے۔ حضرت عاتکہؓ نے کہا تو پھر میں جماعت کی نماز کو ترک نہیں کر سکتی، چنانچہ وہ آخر وقت تک جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی رہیں۔ جس دن ابولؤلؤ نے حضرت عمرؓ کو زہریلا خنجر مارا ہے اس وقت حضرت عاتکہؓ بھی حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز میں شریک تھیں۔

ایک دوسرا واقعہ خود حضرت عمرؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ کا ہے۔ انھوں نے ایک مرتبہ لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی اور کہا اے لوگو! اللہ کی لونڈیوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو، سامعین میں سے ان کے بیٹے بلال بھی تھے، انھوں نے جوش میں آکر کہا واللہ لنمنعهن، خدا کی قسم ہم ان کو ضرور روکیں گے، یہ سنتے ہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور انھیں ایسی گالیاں دیں کہ اس سے پہلے انھوں نے کبھی نہیں دی تھیں، حضرت عبداللہؓ نے بہت ہی جھنجھلا کر کہا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتا ہوں اور تم اس کی مخالفت کرتے ہو، امام احمدؒ کی مسند میں ہے کہ اس بات پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بیٹے بلال سے اتنا خفا ہوئے کہ مرتے دم تک ان سے کوئی بات چیت نہیں کی۔

اس سے صاف واضح ہے کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اگر وہ خود ہی رک جائیں تو یہ اور بات ہے۔

عورت کی امامت عورتوں کے لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں نہ صرف جماعت میں شریک ہوتی تھیں بلکہ آپ کی مجالس وعظ و نصیحت میں بھی شریک ہوتی تھیں اور آنحضرتؐ کی تعلیمات و ارشادات سے پورا استفادہ کرتی تھیں۔ آپ سے براہ راست مسائل دریافت کرتی تھیں اور پھر اپنی دوسری بہنوں اور سہیلیوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں کبھی اس بات کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ ان کے لئے علیحدہ جماعت اور مسجد قائم کی جائے، تاہم بعض مواقع ایسے بھی پیش آئے ہیں جبکہ عورتیں عورتوں کی امامت کر لیا کرتی تھیں، ام المومنین حضرت عائشہؓ نے مغرب کی نماز میں عورتوں کی امامت کی ہے اور بیچ میں کھڑے ہو کر جہر کے ساتھ قرأت کی ہے، انھوں نے نفل نمازوں میں بھی عورتوں کی امامت کی ہے اسی طرح ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے عصر کی نماز پڑھائی ہے اور عورتوں کی امامت کی ہے اور بیچ میں [illegible]

کے مہینے میں جماعت کے ساتھ عورتوں کی امامت کی ہے اور تراویح کی نماز پڑھائی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دے رکھا تھا کہ عورت نفل یعنی تراویح کی نماز پڑھا سکتی ہے اور بیچ میں کھڑے ہو کر ان کی امامت کر سکتی ہے۔ انھوں نے اپنی ایک پڑھی ہوئی لونڈی کو حکم دیا تھا کہ رمضان کے مہینے میں ان کی بیویوں کی امامت کرے۔ اصابہ میں ہے کہ ام ورقہ بنت عبداللہ الانصاری قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عورتوں کا امام بنا دیا تھا۔ آپ کی اجازت سے انھوں نے اپنے گھر ہی پر مسجد بنالی تھی، جہاں وہ رمضان کے مہینے میں تراویح پڑھایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک وہ تراویح پڑھاتی رہیں۔ ام ورقہ کے پاس ایک غلام اور لونڈی تھی، ام ورقہ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم دونوں میری موت کے بعد آزاد ہو، ان دونوں نے جلدی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے ام ورقہ پر چادر ڈال کر ان کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ جب اس صبح کو ان کے قرآن سنانے کی آواز سنائی نہیں دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق دریافت کیا، پھر اندر جا کر دیکھا تو بیچاری چادر میں لپٹی مردہ پڑی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلام اور لونڈی کو گرفتار کیا اور بطور قصاص انھیں قتل کروا دیا۔

یہ تمام روایات اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہیں کہ عورتیں عورتوں کی امامت کر سکتی ہیں، اور قرآن اس بلند آواز سے پڑھ سکتی ہیں کہ دوسرے مرد بھی اس کو سن سکیں۔

عورتوں کی جنگ میں شرکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں اپنی ضروریات کے لیے باہر جاتی تھیں باغوں میں جاتی تھیں، کھجوریں چنتی اور گٹھلیاں چن کر لاتی تھیں، بازاروں میں جا کر سودا خریدتی تھیں، سفر میں مردوں کا ساتھ دیتی تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جنگوں میں بھی شریک ہوتی تھیں، غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس کی والدہ ام سلیم شریک تھیں۔ صحیح مسلم کتاب السیر والجہاد میں احد کی جنگ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا دامن اٹھائے مشکیں لیے زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، جب احد کی جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پانی سے ان کے زخم دھوئے اور حصیر جلا کر اس کی راکھ سے زخموں کا منہ بند کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ پ

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے خندق کی جنگ میں ایک فتنہ پرداز یہودی کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا، اور رجب ۵ھ میں بنی قریظہ کی جنگ ہوئی ہے تو حضرت صفیہ، ام عمارہ، ام سلیط، ام العلاء، سمیرا بنت قیس اور سعد بن معاذ کی والدہ کبشہ بنت رافع بن عبید الانصاریہ بھی اس میں شریک ہوئیں (دیکھو شرح مواہب اللدنیہ الجزء الثانی صفحہ ۱۶۵-۱۶۶) اسی طرح کعیبہ بنت سعید الاسلمیہ خیبر کی جنگ میں شریک رہیں، حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم غزوۂ حنین میں شریک ہوئیں انھوں نے ایک تیز دھار کا خنجر تیار کیا تھا، ام سلیم کے شوہر ابوطلحہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ کے پوچھنے پر ام سلیم نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے یہ خنجر اس لئے تیار کیا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے تو اس سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالوں، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔ صحیح مسلم کتاب السیر و الجہاد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد پر جاتے تو ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کو بھی ساتھ لے جاتے تاکہ وہ مجاہدین کو پانی پلائیں اور زخمیوں کا علاج کریں، انصار کی عورتوں میں ام عطیہ نسیبہ بنت کعب بہت نامور تھیں اکثر غزوات میں شریک رہیں، زخمیوں کی مرہم پٹی میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی خلفائے راشدین کے زمانے میں عورتیں جنگ میں شریک ہوتی رہی ہیں، جب یرموک کی لڑائی میں بڑا گھمسان کا رن پڑا ہے اور کچھ مسلمان سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے تو خولہ نامی ایک عورت نے خیمہ کی ایک کھونٹی اکھاڑلی اور رومیوں پر حملہ شروع کیا، انھوں نے یہ مشہور شعر پڑھ کر مسلمان سپاہیوں کو آگے بڑھانا شروع کیا۔

یا ھاربا عن نسوۃ تقیات ۔ رمیت بالسھم و بالمنیات

(اے پرہیزگار عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والے تو تیر اور موت سے مارا جائے)

قادسیہ کی جنگ میں عرب کی مشہور خطیب اور شاعرہ خنساء بھی شریک ہوئی تھیں جن کے خطبے تاریخ و ادب کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

جنگ جمل کے موقع پر حضرت عائشہؓ کے ساتھ اور بہت سی عورتیں شریک ہوئی تھیں اسی طرح صفین کی جنگ میں سودہ بنت عمارہ بن الاشتر الہمدانیہ، ام سنان بنت خیثمہ، بکارۃ الہلالیہ، عکرشہ بنت الاطرش

ام الخیر بنت الحریش اور زرقاء بنت عدی بن قیس الہمدانیہ جیسی عورتیں شریک ہوئی تھیں، ان کے پُرزور خطبے اور تقریریں ادب کی کتابوں میں منقول ہیں۔

عورتوں کے لئے علیحدہ مکتب اور مدرسے قائم نہ ہونے کی وجہ

اسلام کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش کچھ اس طرح کام کرتی تھیں کہ ان کے لئے علیحدہ مکتب اور مدرسے قائم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس وعظ ونصیحت میں شریک ہوتی تھیں اور اُن کو دل ودماغ میں محفوظ کرلیتی تھیں، انھیں کسی مدرسے میں داخل ہوکر تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، گھروں میں چھوٹے چھوٹے مکتب تھے۔ جہاں بچیاں قرآن مجید پڑھ لیتی تھیں ان کا اپنا گھر ہی مکتب اور مدرسہ تھا۔ صحابۂ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کی پیش کرتے تھے اور عورتیں اور بچے ان سے سیکھ کر اپنی زندگی درست کرلیتے تھے، گھر کا کام کاج سنبھالنے کے سوا عورتوں کا کچھ اور کام نہیں تھا انھیں خود کمانے کی ضرورت نہیں تھی، مرد اُن کے خرچ واخراجات کے کفیل تھے۔ مسلمانوں کی روز افزوں دولت نے معاش کی طرف سے ان کو فارغ البال بنادیا تھا۔ اکثر عورتیں اپنے گھروں پر نماز پڑھ لیا کرتی تھیں، بعض مسجدوں میں جاتی تھیں اور حکومت کی طرف سے مقررہ امام کے پیچھے نماز ادا کرلیا کرتی تھیں، اس زمانے میں یہ مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوا کہ عورتوں کے لئے کوئی علیحدہ مسجد یا مدرسہ قائم کیا جائے۔

لیکن زمانہ جیسا گزرتا گیا عورتیں گھروں ہی پر رہنے لگیں۔ مردوں نے اپنی مردانہ غیرت وحمیت کے پیش نظر ان کو مجامع عام کی شرکت سے روکنا شروع کردیا اور اس سلسلہ میں بعض ایسی حدیثیں پیش کی جانے لگیں جو محض بعض کی ذاتی رائے تھی۔ مثلاً صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ میں حضرت عائشہؓ کی بھتیجی عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی یہ روایت کہ حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مشاہدہ فرماتے کہ عورتوں نے کیسی کیسی نئی باتیں پیدا کررکھی ہیں تو آپ ضرور ان کو مسجد میں آنے سے منع فرمادیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کردیا گیا تھا۔

یہ درحقیقت حضرت عائشہؓ کا ایک ذاتی تاثر تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی دولت کی وجہ سے ان کے لباس اور وضع قطع میں پرانی سادگی باقی نہیں رہی تھی عورتیں زیب وزینت کی طرف زیادہ مائل ہو چکی تھیں، اور ایسا ہونا در حقیقت تمدن کی ترقی کا لازمی نتیجہ تھا، اسی کا خیال کرکے بعض علماء عورتوں کو مسجدوں اور مجامع عام سے روکنے پر آمادہ ہو گئے۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے فقہاء نے اسی بنا پر عورتوں کی امامت کو مکروہ قرار دیا ہے اور یہی فتویٰ فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں نقل ہو گیا چنانچہ آج تک اسی فتوے کی پیروی میں عورتوں کی امامت کو مکروہ قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ابن حزم کی تنقید جب پانچویں صدی ہجری میں عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنے کا سوال پیدا ہوا تو ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ نے ان حدیثوں پر سخت تنقید کی اور صاف لکھا ہے:

وقد اتفق جمیع اهل الارض ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یمنع النساء قط عن الصلوٰة معه فی مسجده إلی أن مات علیه السلام ولا الخلفاء الراشدون بعده فصح انه عمل غیر منسوخ۔ (المحلی الثالث ۱۳۸)

تمام روئے زمین کے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اپنی مسجد میں اپنے ساتھ نماز پڑھنے سے ہرگز نہیں روکا۔ آپ کی وفات تک یہی عمل رہا اور نہ آپ کے بعد خلفاء راشدین نے اس سے روکا، بس صحیح یہی ہے کہ یہ عمل غیر منسوخ ہے۔

ابن حزم تو صاف لکھتے ہیں:

والآثار فی حضور النساء صلاة الجماعة مع رسول الله صلی الله علیه وسلم متواترة فی غایة الصحة لاینکر ذٰلك إلا جاهل۔ (المحلی الثالث ۱۹۸)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتوں کے نماز باجماعت میں حاضر ہونے کے متعلق اتنی متواتر اور صد درجہ صحیح حدیثیں ہیں کہ ان کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو جاہل ہے۔

ابن حزم نے عورت کی امامت، اذان اور اقامت کے مسئلے پر کئی جگہ بحث کی ہے انہوں نے بتایا ہے کہ

جیسا کہ ابن حزم کی محلّٰی میں ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کر سکتی ہے اور بیچ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھا سکتی ہے[1] علامہ ابن حزم نے یہاں تک لکھا ہے کہ عورتوں پر اذان اور اقامت واجب نہیں ہے لیکن اگر وہ اذان اور اقامت کہنا چاہیں تو یہ بہتر ہی ہے:-

ولا اذان على النساء ولا اقامة فان اذن واقمن فحسن (المحلی الثالث ۱۲۹) — عورتوں پر نہ تو اذان واجب ہے اور نہ اقامت، پس اگر وہ اذان اور اقامت کہیں تو یہ اچھا ہے۔

پھر فقہاء کی تقلیدی رائے اور ان کے دلائل کی تردید کرتے ہوئے کہ عورتیں نہ تو فرض نماز میں اور نہ نوافل میں عورتوں کی امامت کر سکتی ہیں لکھتے ہیں:-

وهذا قول لا دليل على صحته وخلاف لطائفة من الصحابة لا يعلم لهم من الصحابة رضي الله عنهم مخالف وهم يشنعون هذا اذا وافق تقليدهم - — اور فقہاء کا یہ قول ایسا ہے کہ اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور صحابہ کی ایک جماعت کے قول کے خلاف بھی ہے اور صحابہ کا یہ قول ایسا ہے کہ اس میں کسی صحابی کی مخالفت موجود نہیں، یہ لوگ اس قسم کی خبروں کو محض اس لئے شہرت دیتے ہیں کہ یہ ان کی تقلیدی رائے کے موافق ہے۔

جب پانچویں صدی ہجری میں ہی یہ فتویٰ قابل قبول نہیں ہو سکا تو آج کی جدید ترقی یافتہ دنیا کیوں کر اس فتوے کو قبول کر سکتی ہے؟

تعلیمی مساوات کا اسلامی نقطۂ نظر

تعلیم و تعلم اور تربیت کے لحاظ سے اسلام مردوں اور عورتوں کو یکساں درجہ دیتا ہے علم کا حاصل کرنا جیسا مردوں پر فرض ہے ویسا ہی عورتوں پر بھی فرض ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة — علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں خدا کے نیک بندے بنیں اور ان تمام اوصاف حسنہ سے متصف ہوں جن کی تفصیل إن المسلمين والمسلمات الخ کی آیت میں پیش کی گئی ہے مگر امتدادِ زمانہ

---

[1] المحلی الثالث ۱۲۸)

مسلمانوں کی زندگی کچھ اس طرح ڈھل گئی کہ عورتیں زندگی کی دوڑ میں مردوں سے پیچھے رہ گئیں ان کے لئے یہ ضروری نہ رہا کہ وہ مردوں کے دوش بدوش علم حاصل کریں اور قوم اور وطن کی اعلیٰ پیمانے پر خدمات انجام دیں، ان کا کام صرف اتنا ہی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے گھروں پر رہ کر مردوں کی اطاعت و فرمانبرداری کریں، اپنے بال بچوں کی نگرانی اور حفاظت کریں اور گھر کا کام سنبھالیں، ان سے اتنی ہی توقع کی جاتی تھی کہ صحیح طور پر کلمہ پڑھ سکیں اور نماز و روزے کی پابند رہیں اور اپنے اخلاق کو سنوارنے کی کوشش کریں، چنانچہ ان کی تعلیم قرآن ناظرہ اور چند فقہی مسائل کے جاننے سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ مرد بچوں کے لئے بیسیوں اور سینکڑوں مدرسے قائم کئے گئے مگر عورت بچیوں کے لئے گنتی کے چند مدرسے بھی قائم نہ ہوسکے اگر کہیں ان کے لئے مدرسے قائم ہوئے بھی تو ان کا معیار مرد بچوں کے مدرسوں جیسا نہیں ہوسکا۔

مسلمانوں کے یہ سماجی نقائص خود ان کے پیدا کردہ ہیں۔ اسلام ان کا ذمہ دار نہیں ہے۔

ہر نئی تحریک اصلاح کی مخالفت

حقیقی بات تو یہ ہے کہ ہمارے عوام تنگ نظر علماء کے زیر اثر ہر دور میں ہر نئی بات کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں، آج سے تقریباً سو سوا سو سال پیشتر اسی شہر مدراس اور اس کے اطراف و اکناف میں ایک عام خیال اور عقیدہ یہ تھا کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا حرام ہے جو لڑکی لکھنا سیکھنا چاہتی اس کو سخت تنبیہ کی جاتی تھی، اس سلسلے میں کئی من گھڑت دلیلیں پیش کی جاتی تھیں ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ دین اسلام بھی اسی عقیدے اور خیال کی تائید کرتا ہے۔ مگر اس وقت ہمارے اس شہر کے مشہور عالم مولانا مولوی محمد صبغۃ اللہ نے جو قاضی بدرالدولہ کے عرف سے مشہور ہیں اس موضوع پر عربی زبان میں ایک رسالہ "تعلیم النساء الکتابۃ" کے نام سے لکھا جس میں عورتوں کو لکھنا سکھانے کے جواز پر بہت سی شرعی دلیلیں پیش کی ہیں پھر بھی عوام نے ان کی دلیلوں کو نہیں مانا، اس غلط خیال کو دور کرنے کے لئے یہاں کے مصلحین کو بڑی جد و جہد کرنی پڑی۔

اس کے بعد خود تعلیم کا مسئلہ کھڑا ہوا، مسلمانوں کے مدرسے عام طور پر دینی اور یونانی عقلی علوم پر مشتمل تھے جہاں عربی ادب تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم دی جاتی تھی، اور وہ بھی مردوں کی حد تک پڑھانا ضروری سمجھا جاتا تھا، عورتیں فرض کفایہ میں داخل تھیں، حالانکہ جہاں تک

ن میں سب سے بڑی آفت تھی، اگر صحیح تعلیم نہ ہو تو وہ ہمہ قسم کے بے بنیاد عقیدوں اور نظریوں
کا ہو جاتی تھیں، بھوت پریت، جن اور خبیث ٹونا اور ٹوٹکا، جھاڑ پھونک، سحر اور جادو غرض دنیا
بنیاد بے بنیاد چیز ایسی نہیں ہوتی جو ان کی امیدوں کا سہارا نہ ہوتی ہو اگر بچے کی طبیعت بگڑی
خیال کیا کہ اس کو سایہ ہو گیا ہے کسی کے پیر میں موچ آ گئی تو کہہ دیا کہ اس کو نظر لگ گئی، خفقان ہو گیا
ور کہا کہ اس پر جادو اور سحر ہو گیا ہے، با قاعدہ طبی علاج کرنے کے بجائے نمک مرچ سر پر سے
ر چولھے میں پھینکا جاتا تھا۔ بدن پر سل کا بٹہ پھیرا جاتا تھا اور اس کو زمین پر پٹکا جاتا تھا۔ کسی پیر
ری کے پاس پہنچ کر اس کو نیم کے پتوں سے جھاڑا جاتا تھا۔ غرض کونسا احمقانہ فعل ایسا ہے جو ایسے
ں پر نہ کیا جاتا ہو۔ پچھلی صدیوں میں یہ جہالت عام تھی اور اب تک اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔
یہ احساس نہیں ہو سکا کہ یہ سب جہالت کا نتیجہ ہے اگر احساس پیدا بھی ہوا تو عورتوں کو حقیقی تعلیم دینے
ت کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی، ہر چند کہ مردوں کے لئے تو کئی عربی دینی مدرسے قائم کئے جاتے رہے مگر عورتوں
لئے اعلیٰ معیار کا ایک مدرسہ بھی قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، اس افسوسناک حالت کا جتنا بھی
لیا جائے کم ہے۔

اور جب دینی علم کے ساتھ دنیوی علوم کے حصول کی ترغیب دی گئی تو مخالفت کا وہ طوفان اٹھا کہ الامان
یظ، اس وقت حامیان علوم جدیدہ پر کفر کے فتوے لگائے گئے اور مسلمان نوجوانوں کو ان سے
کنے کی کوشش کی گئی مگر ملک کے مصلحین نے بروقت اس کے متعلق تنبیہ کی اور ان کو ہر طرح کھانے کی
ش کی، تا آنکہ دقیانوسیت اور تعصب کا بادل چھٹتا گیا اور علوم جدیدہ کی روشنی نمایاں ہوتی گئی،
، پھر بہت کئی اسکول قائم ہوئے پھر ان کے لئے کالج کھولے گئے اور پھر یونیورسٹیوں کے اندر اعلیٰ تعلیم
مخیں بہجت دلائی گئی، رفتہ رفتہ مسلمان لڑکے ان علوم جدیدہ کی طرف مائل ہوتے گئے اور اب ایک
، تعداد ان علوم کو حاصل کر رہی ہے۔

لڑکیاں ابتدا میں نہ تو ان علوم کی طرف مائل تھیں اور نہ ان کو ان کے حاصل کرنے کی طرف رغبت
، دلائی جاتی تھی، مگر جب ان کے لئے چھوٹے چھوٹے انگریزی مدرسے قائم ہو گئے تو ذہین لڑکیاں خود بخود

آگے بڑھنے لگیں جب وہ ایس ایس ایل سی تک پہنچ چکیں تو ان کے اندر کالج میں داخل ہو کر پڑھنے کا جذبہ بھی پیدا ہو گیا۔ مدراس میں مسلمان لڑکیوں کے لئے بارنس گرلس ہائی اسکول قائم تھا جہاں وہ تعلیم حاصل کرتی تھیں دوسرے اسکولوں میں بھی ان کو داخلہ دیا جاتا تھا۔ ایس ایس ایل سی کے بعد وہ اکثر گورنمنٹ کالج فار مسلم گرلس میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنے لگیں، یہی کالج بعد میں ایتھراج کالج ہو گیا جہاں دس سال تک اردو سکنڈ لینگویج کی حیثیت سے پڑھائی جاتی رہی ہے۔ اس پرائیویٹ کالج کے ارباب اقتدار نے اچانک یہ فیصلہ کیا کہ اس کالج سے اردو ختم کردی جائے۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف بہت کچھ احتجاج کیا مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔ اردو لکچرار کو ملازمت سے سبکدوش کردیا گیا۔ لڑکیاں مجبوراً مختلف کالجوں میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنے لگیں، لیکن جیسے جیسے ان کی تعداد بڑھنے لگی ان سرکاری اور غیر سرکاری کالجوں کے دروازے ان مسلمان لڑکیوں پر بند ہوتے چلے گئے۔ اس شدید ضرورت کا احساس کر کے سدرن انڈیا ایجوکیشنل ٹرسٹ مدراس نے جنوری ۱۹۵۵ء میں ایک ویمنس کالج قائم کیا جہاں ان مسلمان لڑکیوں کے لئے ہر قسم کی آسانی فراہم کی گئی، گزشتہ گیارہ سال میں اس کالج نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے وہ ہر حیثیت سے قابلِ تعریف ہے۔ کئی عمدہ اور نفیس عمارتیں باقاعدہ ترتیب کے ساتھ تعمیر ہو چکی ہیں، عمدگی اور نفاست کے لحاظ سے ملک بھر میں ان کا کوئی جواب نہیں ہے۔

اس کالج کے وجود میں آنے کے بعد مسلمان لڑکیوں کے لئے بہت سی سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اب وہ لڑکیاں زندگی کی دوڑ میں مردوں کے دوش بدوش جدید علوم سے آراستہ ہونا چاہتی ہیں، کس کی طاقت ہے کہ ان کو آگے بڑھنے سے روکے۔

دینی اور دنیوی علوم کی تمیز اور ان کا فرق

اگر مسلمانوں میں دور بینی اور بصیرت ہوتی تو وہ دینی اور دنیوی علوم کی تمیز اور ان کے فرق کو ابتدا ہی سے مٹا دینے کی کوشش کرتے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ ایک طرف حکومتِ وقت اور اس کے ہمنوا علومِ جدیدہ کو پھیلانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے تو دوسری طرف تنگ نظر علماء قدیم علوم اور عقلی فنون کو پڑھانے کا انتظام کر رہے تھے، ان دونوں قسم کے تعلیم یافتہ لوگوں میں جو خلیج پیدا ہو رہا تھا اس کو پاٹنے کی کوئی کوشش نہیں ہو رہی تھی ہمارے علماء یہ سمجھتے تھے اور اب تک یہی سمجھتے ہیں کہ دینی علوم کی تحصیل ہی ہماری نجات کی ذمہ دار ہے، علومِ جدیدہ کے حامی یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے حصول کے بغیر ہم مسلمان

زندگی کی دوڑ میں دوسروں سے بازی نہیں لے جا سکتے، ایک طرف گنتی کے چند عربی دینی مدرسے قائم ہیں جہاں طلباء کی تعداد سو سوا سو یا زیادہ سے زیادہ دو سو کی ہے، دوسری طرف انگریزی کے مدرسے اور کالج ہیں جہاں سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ تعلیم پا رہے ہیں، ان دونوں کی طبیعتوں، آرزوؤں، حوصلوں اور امنگوں کے درمیان جو زبردست فرق پایا جاتا ہے اس کو ہر صاحبِ نظر پوری طرح محسوس کر سکتا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے عربی طلبہ جب تک مدرسے کی چہار دیواری میں رہتے ہیں آئندہ زندگی کی تکالیف سے واقف نہیں ہوتے اور جب پڑھ کر باہر آتے ہیں تو ان کے سامنے سب سے پہلا سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں؟ ان کی دوڑ امامت اور خطابت یا مدرسی سے آگے نہیں بڑھ سکتی، بعض نے ان آنے والی مصیبتوں کا احساس کر کے یونانی طب کی طرف توجہ کی، مگر آج کی جدید طب کی ترقی نے انھیں بھی اس میدان میں شکستِ فاش دیدی ہے۔

جدید نظامِ تعلیم کے نتائج یہ جدید نظامِ تعلیم جو اس وقت ملک میں چل رہا ہے درحقیقت یورپ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ یہ نہ صرف ہندوستان ہی میں رائج ہے بلکہ تمام اسلامی ملکوں میں بھی رائج ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے

اس نظامِ تعلیم سے جہاں بہت سے عقیدوں اور نظریوں کو زبردست ٹھیس لگی ہے وہاں مختلف اقوام کی قدیم عادات و اطوار کو بھی بدل کر رکھ دیا ہے اس نظامِ تعلیم کے اثرات سے مسلمان بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔

عام مسلمانوں کی خواہش اور زبردست خواہش یہی تھی کہ ان کی عورتیں اور لڑکیاں پردے میں بیٹھی رہیں مگر ملک کے تعلیمی اور سماجی انقلاب نے انھیں علومِ جدیدہ کے حاصل کرنے پر مجبور کر دیا۔ تاکہ وہ اپنے آپ کو اس قابل بنالیں کہ اپنا پیٹ پالنے کی خاطر کسی کی محتاج نہ ہوں، یہاں جو پردہ رائج تھا وہ اسلامی پردہ نہیں تھا، اسلامی پردہ یہی تھا کہ عورتیں اپنا بدن ڈھانپیں اور اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھیں اور پھر اپنی ضروریات کیلئے باہر جائیں اور جو چاہیں کام کریں صحیح پردہ وہی ہے جو آج حج کے دنوں میں مکہ اور مدینہ میں پایا جاتا ہے مگر چونکہ یہاں مخلوط نظامِ تعلیم رائج ہو چلا تھا اس لئے یہ قدیم رواجی پردہ بھی بہت دنوں تک قائم نہیں رہ سکا، لڑکیاں دھیرے دھیرے قدیم رواجی پردے کو چھوڑ کر عام ملکی لباس اختیار کرنے لگیں، اور آج تعلیم یافتہ لڑکیوں میں قدیم برقعہ والا پردہ بہت کم پایا جاتا ہے، اور اب وہ عورتیں بھی اس کو چھوڑنے پر آمادہ نظر آ رہی ہیں جو افلاس اور تنگدستی کی

مصیبتوں کو برداشت کرنا نہیں چاہتیں، اس قدیم رواجی پردے کی وہی حمایت کرسکتا ہے جو حقیقتاً اس کا حامی ہو یا اتفاقاً فارغ البال اور خوش حال ہو کر اپنی بیوی اور لڑکیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گاڑی میں بھیجنے کا انتظام کرسکتا ہو، عام اور متوسط طبقے کی عورتیں پردہ کے غیر ضروری اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتیں وہ قدیم رواجی پردے کے ساتھ آج کی تیز رفتار ریلوں، بسوں اور ہوائی جہازوں میں سفر نہیں کرسکتیں، اگر یہ قدیم پردہ ٹوٹا ہے تو اس کا الزام کسی عمرو اور بکر کے اوپر نہیں ہے بلکہ جدید تمدن اور جدید علوم و فنون کی ترویج کا لازمی نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مصر جیسے اسلامی ملک میں جہاں دینی اور شرعی علوم کے سرچشمے بہتے ہیں یہ قدیم رواجی پردہ قائم نہیں رہ سکا، تمام نوجوان لڑکیاں باہر آچکی ہیں اور کسی کے روکے سے نہیں رک رہی ہیں اور جب مصری حکومت نے کہیں لڑکیوں کو علیحدہ رکھنا چاہا تو خود لڑکیوں نے اس کے ماننے سے انکار کردیا مثلاً ۱۹۵۷ء میں اسیوط میں نئی یونیورسٹی قائم ہوئی اور لڑکیوں کو لڑکوں کے پیچھے کلاس میں بیٹھنے کی تاکید کی گئی تو پہلے ہی دن ایک لڑکی سامنے آبیٹھی جب استاد نے قانون کے مطابق پیچھے بیٹھنے کی تاکید کی تو اس لڑکی نے اس قانون کی پیروی کرنے سے بالکل انکار کردیا۔ معاملہ اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر حزین کے سامنے پیش ہوا تو انھوں نے بلا کر تحقیق کی۔ لڑکی کے دلائل سننے کے بعد حزین نے فیصلہ کردیا کہ اگر لڑکیاں اس قانون کو نہیں مان رہی ہیں تو حکومتِ وقت انھیں اس قانون کے ماننے پر اصرار نہیں کرسکتی۔ چنانچہ پہلے ہی دن یہ قانون ٹوٹ گیا۔ وہاں لڑکیاں ہر ایک جدید علم و فن میں لڑکوں کے برابر مہارت حاصل کر رہی ہیں۔ خود علماء کی لڑکیاں ڈاکٹری اور انجنیرنگ کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور بے پردہ کلاسوں میں حاضر ہو رہی ہیں۔ جب علماء ہی اپنی لڑکیوں کو جدید اعلیٰ تعلیم کے حاصل کرنے سے روک نہیں سکتے تو عوام کس طرح اپنی لڑکیوں کو روک سکتے ہیں۔ اگر بعض مسلمان اس جدید صورت حال سے خفا ہیں تو اپنے گھروں پر بیٹھ کر اس صورتِ حال کا ماتم کریں۔ لیکن انھیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس صورتِ حال کو بدلنے کی ان کے پاس ہرگز ہرگز کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے۔

مسجد اخلاقی تربیت کا ایک بڑا مرکز ہے

موجودہ زمانے میں جبکہ دینی اور اخلاقی تعلیم اسکولوں اور کالجوں کے نصابِ تعلیم سے خارج ہو چکی ہے ہمیں اس کے انتظام کی کوئی مناسب شکل نکالنی چاہئے۔ اس وقت

دینی اور اخلاقی تربیت کے لئے مسجد سے بڑھ کر دوسرا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، مدرسہ اور مسجد کا رشتہ بہت ہی قدیم رشتہ ہے یہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے بلکہ بہت قدیم اور پرانا نظریہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات وارشادات کا مرکز مسجدِ نبوی ہی تھی، حضرت امام مالکؒ مسجد ہی میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا کرتے تھے، مصر کا قدیم ترین جامعہ ازہر مسجد ہی کے ساتھ ملحق تھا۔ دمشق کی جامع مسجد میں وہاں کا مشہور عربی مدرسہ کام کررہا تھا۔ بغداد کی جامع مسجد میں عرب کا بہترین مدرسہ قائم تھا۔ ہندوستان میں بھی جتنے عربی مدرسے یکے بعد دیگرے قائم ہوئے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک مسجد ملحق تھی۔ علی گڈھ میں انگریزی کالج قائم ہوا تو سرسید احمد خاں مرحوم نے اس کے احاطے میں ایک شاندار مسجد تعمیر کی۔ مدراس میں مدرسہ اعظم اور پھر محمڈن کالج قائم ہوا تو اس کے احاطے میں ایک مسجد ضرور بنائی گئی، وانمباڑی میں اسلامیہ کالج قائم ہوا تو اس سے قریب ایک شاندار مسجد تعمیر کی گئی، کرنول میں عثمانیہ کالج قائم ہوا تو اس سے قریب ایک مسجد بھی موجود تھی، ابھی حال میں مدراس میں نیو کالج قائم ہوا تو اس کے احاطے میں ایک مسجد لازم تعمیر کی گئی اور پھر ترچناپلی میں جمال محمد کالج قائم ہوا تو اس کے احاطے میں ایک عظیم الشان مسجد بنائی گئی اور جب لڑکیوں کے لئے مدراس میں ایس۔ آئی۔ ای۔ ٹی کالج قائم ہوا تو ایک شاندار مسجد کی ضرورت سے کسی کو کیا انکار ہوسکتا ہے، ہم مسلمانوں کو خوش ہونا چاہئے کہ جو اصلاحی کام ماں باپ کے ہاتھوں سے نہیں ہورہا ہے وہ ایک ادارے اور کالج کے ذریعے انجام پارہا ہے ہم سب کو عالی جناب الحاج جسٹس بشیر احمد صاحب سعید اور ان کی اہلیہ محترمہ الحاج فاطمہ اختر صاحبہ اور مجلسِ منتظمہ کے ارکین کا بیحد شکرگذار ہونا چاہئے کہ انھوں نے نہ صرف وقت کی ایک اہم ضرورت کو محسوس کیا بلکہ اس کو پورا کرکے دکھایا ہے، یہ مسجد نہ صرف شاندار ہے بلکہ موجودہ فنِ تعمیر کا ایک بہترین شاہکار بھی ہے، اس موقع پر ہم ان سب کی خدمات میں دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے ایک اہم ضروری بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

مسجد کا انتظام لازمی طور پر لڑکیوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے

ظاہر ہے کہ یہ مسجد لڑکیوں کی دینی اور اخلاقی تربیت کے لئے بنائی گئی ہے، یہاں مردوں کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے، ہمارا روزمرہ کا تجربہ اس

بات کا شاہد ہے کہ نوجوان یا بوڑھے مرد ان لڑکیوں کی اتنی اصلاح نہیں کرسکتے جتنی کہ خود لڑکیاں اپنی اور اپنی بہنوں کی اصلاح کرسکتی ہیں، جناب بشیر احمد صاحب سعید نے گزشتہ چند سالوں میں خارجی اوقات میں دینی اور اخلاقی لکچروں کا انتظام کیا تھا، اور چند مخصوص علماء کو یہاں آکر دین اور اخلاق کے موضوعات پر تقریریں کرنے کی دعوت دی تھی۔ یہ لوگ چند گھنٹوں کے لئے یہاں آتے ہیں اور پھر تقریریں کرکے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، ان کا ان لڑکیوں پر کوئی دیرپا اثر نہیں پیدا ہوتا۔ یہ لڑکیاں بسا اوقات ایک کان سے سنتی ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتی ہیں، اس لئے اذان، اقامت امامت، خطابت وغیرہ کی ذمہ داریاں تمام تر ایسی لڑکیوں پر ہونی چاہئیں جو دن بھران کے ساتھ رہتی ہیں۔ جب یہ ذمہ داریاں ان پر عائد کی جائیں گی تو وہ لازمی طور پر اسلام اور اس کی تعلیمات کو بخوبی سمجھ کر اپنی بہنوں کے درمیان ان کو اشاعت کرنے پر آمادہ ہوں گی، مثل مشہور ہے چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ ہر ایک ذمہ دار لڑکی دوسری لڑکی کے لئے شمع ہدایت کا باعث ہوگی، اس طرح دینی اور اخلاقی اصلاح کی وہ آواز جو مردوں کے ذریعہ بے سود دکھائی دیتی ہے، لڑکیوں ہی کے ذریعہ بیحد مفید اور سودمند ثابت ہوگی۔ آج وقت آگیا ہے کہ ہم مسلمان تنگ نظری کے جنجال سے باہر نکلیں اور اس قسم کے قومی دینی اور ملی مسائل پر کھلے ہوئے دل و دماغ سے غور کریں۔

بعض شبہات کا ازالہ عورت عورت کی امامت کرسکتی ہے اس مسئلہ میں صحابہ اور تابعین کا کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں، اب رہا عورت کا اذان اور اقامت کہنا یا خطبہ دینا تو اس کے متعلق ابن حزم اپنا قطعی فیصلہ دے چکے ہیں جس کو اوپر بیان کیا جاچکا ہے اس کے باوجود بعض لوگوں کے دلوں میں چند شبہات پیدا ہوتے ہیں جن کا ازالہ ضروری ہے۔

ایک زبردست شبہ یہ کہ عورت کی آواز خود اس کی ذات کی طرح محرم ہے، غیر محرم کو اس کی آواز سننا حرام ہے، یہ محض ایک شبہ ہے جس کی کوئی بنیاد یا دلیل نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانے میں لڑکیوں اور عورتوں کی آواز کبھی محرم نہیں سمجھی گئی، تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرکے آئے تو انصار کی لڑکیاں دف

بچیاں خوشی کے گیت گانے لگیں، انصار کی عورتوں نے یہ مشہور گیت گائے تھے:۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع ۰ وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ترجمہ: ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے بدر طلوع ہوا ہم پر شکر واجب ہے جب تک بلانے والا اللہ کی طرف بلاتا ہے

ان گیتوں کو نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا بلکہ مدینہ کے تمام مسلمانوں نے سُنا ہے اگر عورت کی آواز محرم ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ان کو روک دیتے۔

صحیح بخاری میں ربیع بنت معوذ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میری شادی ہوئی تو لڑکیاں مل کر دف بجانے لگیں اور وہ اشعار گانے لگیں جو میرے باپ دادا کے مرثیہ میں کہے گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان اشعار کو سُن رہے تھے۔ اور جب لڑکیاں یہ شعر پڑھنے لگیں:۔

وفینا نبی یعلم ما فی غد   اور ہمارے اندر ایک نبی ہے جو کل کی بات کو جانتا ہے

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی ٹوکا اور فرمایا اس طرح مت کہو بلکہ وہی کہو جو تم پہلے کہہ رہی تھیں۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر)

عید کے دن صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس چند لڑکیاں بیٹھ کر جنگ بعاث کے اشعار دف پر گا رہی تھیں، آپؐ منہ پھیرے ہوئے ان کو سن رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے، انھوں نے خفا ہو کر ان لڑکیوں کو ڈانٹا اور کہا یہ شیطانی گانا اور وہ بھی رسول اللہؐ کے گھر میں، آنحضرتؐ پلٹ پڑے اور کہا اے ابوبکر ان کو چھوڑ دو۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین)

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں آپؐ کے پاس آتی تھیں اور آپ سے کبھی کبھی بحث و تکرار کرتی تھیں، خولہ بنت ثعلبہ کو ان کے شوہر نے ماں کی حیثیت دی، انھوں نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تمھیں اس کا کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔ اس پر جو بحث و تکرار ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے سورہ مجادلہ کی ابتدائی آیتوں میں ذکر کیا ہے:۔

اس کے علاوہ جنگوں میں عورتوں نے رجزیہ اشعار پڑھے ہیں۔ یرموک کی لڑائی میں خولہ نے جو رجزیہ اشعار پڑھے تھے اس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔ اگر ان کی آواز محرم ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین ان کو رجزیہ اشعار پڑھنے سے منع فرما دیتے، یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ عورت کی آواز محرم نہیں ہے اس لئے اس اصول کی بناء پر اگر وہ اقامت یا اذان کہیں تو اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت لازم نہیں آتی۔ اسی طرح خطابت کا بھی معاملہ ہے۔ حضرت عائشہؓ ایک جید عالم اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست خطیب بھی تھیں۔ جنگ جمل کے موقع پر آپ نے جو شاندار خطبے دیئے ہیں وہ ہمارے عربی ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ حضرت امام حسینؓ کی دردناک شہادت کے بعد سیدہ ام کلثوم بنت حضرت علیؓ نے اہل کوفہ کو خطاب کر کے جو دلدوز خطبہ دیا تھا وہ بلاغات النساء میں منقول ہے۔ اسی طرح جنگ صفین میں بعض نامور عورتوں نے جو خطبے دیئے ہیں وہ جمہرۃ خطب العرب میں نقل کئے گئے ہیں۔

جب بنی امیہ کے زمانے میں احنف بن قیس تمیمی کا جنازہ اٹھایا گیا اور انھیں قبر میں اُتارا گیا تو ان کی چچا زاد بہن صفیہ بنت ہشام المنقریہ نے ایک زوردار اور دلدوز خطبہ دیا تھا جو جمہرۃ الخطب کے دوسرے حصے میں صفحہ ۳۴۳ پر منقول ہے۔

ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ ام الدرداءؓ تابعی، عابدہ، عالمہ اور فقیہہ تھیں وہ جامع دمشق کی شمالی دیوار کی طرف بیٹھ کر حدیث و فقہ کا درس دیا کرتی تھیں، بہت سے لوگ ان کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے، اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے، خود خلیفہ عبدالملک بن مروان ان کے اس درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ سنہ ۸۳ھ میں انتقال کیا۔ (البدایہ والنہایہ الجزء التاسع صفحہ ۴۷)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عورتیں مجمع عام میں کھڑے ہو کر سیاسی خطبے دے سکتی ہیں تو کیا اپنی ماؤں اور بہنوں کے سامنے دینی اور اخلاقی خطبے نہیں دے سکتیں؟ اگر کوئی لڑکی جمعہ کے خطبے دیتی ہے تو اس میں کون سی شرعی قباحت لازم آسکتی ہے۔

بے پردگی بداخلاقی کا مترادف نہیں ہے | بے پردگی بداخلاقی کا مترادف نہیں ہے، یہ دونوں لازم اور ملزوم نہیں ہیں۔

یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو بے پردہ ہو وہ لازمی طور پر بداخلاق بھی ہو، مرد عورت کے معاملے میں ہمیشہ سوءِ ظن کا شکار رہتا ہے، اس لئے وہ ایک بے پردہ عورت کے متعلق ناروا الفاظ کے استعمال کرنے سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔ مگر عورت میں قدرتی اور طبعی حفاظت رکھی گئی ہے جس کی طرف قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ (نساء ۳۴) پس نیک بیویاں فرمانبردار اور غیب کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں اس لئے اللہ نے ان کو محفوظ کر دیا ہے۔

اس وقت ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں مسلمان لڑکیاں نہ صرف علوم جدیدہ میں بلکہ عربی، فارسی اور اردو زبان میں لڑکوں کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں، اب سب لڑکیوں کے متعلق محض بے پردگی کی وجہ سے یہ فیصلہ کرنا کہ وہ بداخلاق ہیں صریح تہمت اور افتراء ہے، اب رہا بعض کا غلط راہوں پر پڑنا وہ ایک استثنائی حیثیت رکھتا ہے۔ کیا غیر تعلیم یافتہ لڑکیاں کبھی کبھی بُری راہ پر نہیں پڑ جاتیں؟ حالات سے مجبور ہو کر بعض بُری راہ پر پڑنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ پہلے ان حالات پر قابو پائیں اور ان کو اپنے موافق بنانے کی کوشش کریں۔

کیا سیکولر حکومت میں مسجدوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے؟

بعض حضرات کو انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں مسجدوں کے بنانے پر بھی اعتراض ہے کہ سیکولر حکومت میں سرکاری اداروں میں مسجدوں کے بنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور اگر مسلمان اپنے اداروں میں مسجدیں بنائیں گے تو آئندہ ہندو اور کرسچین لوگ مندر اور گرجا کے بنانے کا مطالبہ کریں گے اور اس کی وجہ سے مسجدوں کی بے حرمتی ہو گی جس کو کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، یہ ایک بالکل ہی موہوم خطرہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، غیر مسلم قومیں اتنی غیر منصف مزاج نہیں ہیں کہ وہ آئندہ مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجدوں پر ناجائز قبضہ کریں یا مسجدوں کے ساتھ مندر یا گرجا بنانے پر اصرار کریں، کم از کم جنوبی ہند میں تو یہ صورت حال ہرگز نہیں پیدا ہوتی، یہاں کے غیر مسلم مسجد کی اتنی ہی عزت کرتے ہیں جتنی کہ ہم مسلمانوں کے دلوں میں ہے، یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ بہت سی جگہوں پر عصر اور مغرب اور صبح کی نماز کے وقت اپنے بچوں کو لئے مسجدوں کے سامنے کھڑی رہتی ہیں۔ تاکہ

[illegible] کی دماغ سے ان کے پیچھے فضا پائیں، مسلمانوں اور ہندوؤں میں آغاز زبردست سیاسی اختلافات پیدا ہونے کے باوجود ہندوؤں کی طرف سے کبھی یہ آواز نہیں اٹھی کہ ان کی عمارتیں مسجدوں کے سامنے کیوں کھڑی ہوں، ہر ایک کالج میں غیر مسلم طلبہ کی اکثریت ہے۔ اس کے باوجود کسی جگہ بھی یہ مطالبہ نہیں ہوا کہ ان مسجدوں کے ساتھ ان کے لئے مندر یا گرجا بھی ہونے چاہئیں، حکومتِ وقت کا رویہ بھی ایک بڑی حد تک غیر متعصبانہ ہی ہے۔ اس کی بکثرت مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، مدراس کے قلعہ سینٹ جارج میں حکومت کے اکثر دفاتر موجود ہیں، جہاں بہت سے مسلمان بھی ملازمت کر رہے ہیں۔ ان کے لئے حکومت کی طرف سے ہی ایک جگہ مخصوص کر دی گئی ہے۔ جہاں وہ پنجوقتہ اور جمعہ کی نمازیں ادا کر رہے ہیں۔ اسی طرح اکونٹنٹ جنرل آفس تینامپیٹ مدراس میں ایک وسیع کمرہ مسلمانوں کے لئے دیا جا چکا ہے جہاں وہ ظہر و عصر اور جمعہ کی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ مدراس اسٹیٹ بس ٹرانسپورٹ کے احاطہ میں ایک مسجد موجود ہے جہاں کبھی زمانے میں وہ مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے جو گورنر مدراس کے باڈی گارڈ کی خدمت پر مامور ہوا کرتے تھے۔ اب بسوں کے مسلمان ملازم وہاں نماز پڑھتے ہیں۔ فتنہ و فساد کے زمانہ میں بھی غیر مسلم حضرات نے دکانوں اور کارخانوں کو نقصان پہنچانے کی تو کوشش کی ہے۔ مگر مسجدوں پر کبھی حملہ نہیں کیا۔ مدراس کے مدرسۂ اعظم کے احاطہ میں ایک مسجد بنائی گئی ہے جس کے ساتھ اب گورنمنٹ آرٹس کالج بھی کام کر رہا ہے۔ یہ کالج مسلمانوں کے لئے بنا تھا۔ مگر اب یہاں مسلمان طلبہ کی تعداد بالکل گھٹ گئی ہے غیر مسلم طلبہ کا غلبہ ہے۔ اس کے باوجود آج بھی اس مسجد میں باقاعدہ نماز ہو رہی ہے۔ غیر مسلم طلبہ نے کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا کہ یہاں مسجد نہیں ہونی چاہئے یا اس مسجد کے ساتھ ایک مندر اور گرجا بھی ہونا چاہئے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس قسم کے فضول اور موہوم خطرات کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔ اور نادانوں کے بے جا پروپیگنڈے میں نہ آئیں۔

کیا انگریزی کالجوں کی تعلیم لادینی ہے؟

انگریزی مدرسوں اور کالجوں کی تعلیم پر اکثر یہ اعتراضات کئے جاتے ہیں کہ یہاں لادینیت کی تعلیم ہوتی ہے، یعنی جو بھی ان مدرسوں اور کالجوں میں انگریزی تعلیم حاصل کرتا ہے بے دین ہو جاتا ہے، ایسا سمجھنا درحقیقت ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے، ان مدرسوں اور کالجوں

میں مختلف زبانوں اور مختلف علوم و فنون کی تعلیم ہوتی ہے، جن کی ہماری روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پیش ہوتی ہے، دین اسلام ان کے سیکھنے کا ہرگز مخالف نہیں ہے، طلبہ اور طالبات ان زبانوں اور ان علوم وفنون کو اس لئے سیکھتے ہیں کہ ان سے کام لے کر دنیا کی نئی نئی ایجادات و اختراعات سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور اپنی قوم وملت اور اپنے ملک ووطن کو فائدہ پہنچائیں' ان کی وہی حیثیت ہے جو کسی زمانہ میں عربی میں علوم متداولہ یعنی تاریخ وجغرافیہ' حساب جبر و مقابلہ' اقلیدس' ہندسہ' علم ہیئت و نجوم فلسفہ ومنطق وغیرہ کی تھی، شرعی علوم صرف تین ہیں یعنی قرآن وحدیث اور فقہ، ان سب کے علاوہ جتنے بھی علوم ہیں وہ علوم متداولہ کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ علوم متداولہ زیادہ تر قیاسی تھے، ان میں اتنی تحقیق و تدقیق نہیں ہوئی تھی جتنی کہ آج ہوگئی ہے۔ ہر علم اپنی جگہ پر ایک بحر ذخار ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے ہر ایک کو اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ طلبہ ان علوم کو حاصل کر رہے ہیں تو وہ دین اسلام کے خلاف کام نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ ان علوم سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو اور اپنی قوم وملت اور اپنے ملک ووطن کو بیش بہا فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ عربی مدرسوں میں قرآن وحدیث اور فقہ کی کچھ زیادہ تعلیم ہوتی ہے۔ اگر انہی کو کچھ آسان بنا کر اور مختصر کر کے انگریزی مدرسوں اور کالجوں میں تعلیم دی جائے تو وہ اچھے شہری ہونے کے ساتھ اچھے مسلمان بھی بن سکتے ہیں۔ جہاں جہاں مسلم کالجوں میں مسجد بنائی گئی ہے اس کا مقصد اتنا ہی ہے کہ مسلمان طلبہ اور طالبات دین اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اسی خیال کے پیش نظر ایس' ڈی' ای' ٹی وومینس کالج میں نہ صرف خارجی اوقات میں مذہبی اور دینی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے بلکہ ان کے لئے ایک مسجد بھی بنائی گئی ہے جہاں لڑکیاں جمع ہوکر نماز ادا کر سکتی ہیں اور دینی مسائل کے متعلق مذاکرے کر کے اپنی علمی استعداد کو بڑھا سکتی ہیں، اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت لازم نہیں آتی۔

لڑکیوں کی مسجد کے نمایاں فوائد

۱۹ر جولائی ۱۹۶۶ء کو اس مسجد کا سنگ بنیاد حضرت مولانا قاضی مفتی حبیب اللہ صاحب شہر قاضی مدراس کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا تھا۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی مدظلہ العالی نے ۲۹ر جولائی ۱۹۶۶ء کی شام کو اس کا افتتاح فرمایا' اس افتتاح پر ابھی چند دن بھی

نہیں گزرے ہیں کہ اس کے فوائد نمایاں طور پر ظاہر ہو رہے ہیں، پہلے سے باقاعدہ نماز پڑھنے والی لڑکیوں کو بیحد خوشی اور مسرت ہے کہ ان کی عبادت کے لئے انھیں ایک مستقل جگہ مل گئی جہاں وہ چند منٹ کے لئے سکون اور آرام کے ساتھ نماز ادا کرسکتی ہیں، اب ان لڑکیوں کو بھی اس کی طرف توجہ ہوتی جا رہی ہے جو اس سے پہلے باقاعدہ نماز کی عادی نہیں تھیں، یا اپنے غلط ماحول کی وجہ سے نماز پڑھنے کو ایک فضول کام سمجھا کرتی تھیں ان لڑکیوں کو اس مسجد سے ایک دلی محبت ہوگئی ہے، وہ خود یہ سمجھنے لگی ہیں کہ اس کو ہمیشہ آباد رکھنا ان کا فرض ہے۔ انفرادی حیثیت سے ان کو کبھی دینی مسائل پر مذاکرے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اب اس پر مذاکرے ہونے لگے ہیں، اور لڑکیوں کے اندر ایک جذبہ ابھر رہا ہے کہ وہ خود بھی عربی زبان سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں، چنانچہ یہاں کی ایک مسلمان استادنی جو انگریزی اور ہندی دونوں زبانوں میں ایم، اے کی اعلیٰ ڈگریاں رکھتی ہے، عربی سیکھنے پر آمادہ ہے۔ اس وقت وہ اسلامیات کے مطالعے میں پوری طرح مصروف ہے۔ اور ان موضوعات پر زوردار تقریریں بھی کرتی ہے۔ اس نے پکا ارادہ کرلیا ہے کہ چند سال کی محنت سے وہ مدراس یونیورسٹی کا افضل العلماء کا امتحان پاس کرکے رہے گی، اگر وہ ایسا کرلے تو یقیناً ایک بڑا معجزہ ہوگا۔ دوسری بہت سی لڑکیاں بھی اس کے نقش قدم پر چل کر عربی زبان سیکھیں گی اور قرآن وحدیث اور فقہ سے واقف ہو کر دوسروں کو بھی راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں گی۔ اب گویا ان کے لئے ایک بہت بڑا اہم مرکز قائم ہوگیا ہے جہاں وہ اجتماعی طور پر دین و مذہب اسلام کی بھی کچھ نمایاں خدمات کرسکیں گی۔

اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں

مرتبہ: ڈاکٹر خورشید احمد فارق صاحب

ذ سو سال ہوئے جب مقدسی نے مراکش سے تاشقند تک سفر کرکے ایک کتاب لکھی تھی، یہ محمد مقدسی کے اسی مشہور سفرنامہ "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" کے اہم حصوں کا ترجمہ ہے جس میں ممالک اسلامیہ کی تجارت، جغرافیہ، معاشرت، رسوم و رواج، عقائد، زبانیں، لباس، مختلف مقامات کی مخصوص صنعت و پیداوار، علوم و فنون وغیرہ کا دستاویزی بیان ہے۔ صفحات ۳۱۰ - قیمت ۵/- - مجلد ۶/-

ملنے کا پتہ: مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶